© rasailojaraid.com

کچھ "لہو الحدیث" کی گذشتہ بحث سے متعلق

ایک خط اور اس کا جواب

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۱)

برادر محترم نعیم صدیقی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اپریل ۱۹۸۶ء کے ترجمان القرآن میں "لہو الحدیث" کی تشریح و وضاحت کرتے ہوئے آپ کے لب و لہجہ میں حسرت و یاس کی کیفیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔

لہو الحدیث کے بارے میں آپ کی وضاحت درست ہے، آپ کا موقف صحیح ہے۔ آپ کی دلیل مؤثر ہے "حدیث دلبراں" کو جو درحقیقت دعوت و تبلیغ کی بات ہی ہے۔ افسانہ و ناول کے پیرایۂ دل پذیر میں "حدیثِ دیگراں" بنا کر پیش کرنے کا آپ کا استدلال بھی بے حد معقول ہے۔ اسلامی تحریک کے لیے ادب کی قوتِ فکری دعوت کے نفوذ و توسیع میں کس درجہ مؤثر کردار ادا کرتی ہے اسے بھی آپ نے بہت اچھی طرح کھول دیا ہے لیکن میرے لیے سب سے بڑی دلدوز چیز آپ کا وہ لہجہ ہے جس میں حسرت و یاس کا رنگ جھلک گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے:

"میں نے ایک لمبا دور دعوتِ اسلامی اور تحریک اسلامی کے ساتھ گذار کر یہی اندازہ کیا ہے کہ ادب کو ہمارے حلقوں میں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔ ادبی کام کرنے والوں کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اگر کچھ دوست ادب سے دلچسپی دکھاتے ہیں تو زیادہ تر مردہ" اور وہ بھی سرسری یا ابائی دی سے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں جو نسکا نے کی کوششیں کی گئیں، مگر دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں
سے کام رہا۔ اب مجھے یہی تشویش ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس پسپائی کا احساس
ہوگا جو ادبی کام کی کوتاہی کی وجہ سے غیر محسوس طور پر واقع ہو رہی ہے۔
آخر ایک نہ ایک دن اس کی تلافی کا جذبہ بیدار ہوگا۔"

میں آپ کو تحریکِ اسلامی میں اسلامی ادب کی تحریک کا سالارِ کارواں سمجھتا ہوں
آپ نے اسلامی ادب کی اس وادیٔ پُرخار میں جہاں انسانی قدموں نے راستے متعین
نہ کیے تھے، سب سے پہلے راستے بنائے اور تجربات کیے۔ افسانے کا اسلامی تصور کیا
ہے؟ شعر و سخن کو لہو الحدیث بن جانے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ افسانہ و ناول کی
اصناف کو اخلاقی اقدار کے فروغ کے لیے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اور شعر و ادب
اسلامی تحریک کا دلپذیر ہتھیار کیسے بن سکتے ہیں؟ آپ نے عمر بھر ان راہوں کو اپنے عمل
سے ہموار و استوار کیا ہے۔ آپ نے زندگی کی ادبی راہگذر پر جو چراغ اپنے خونِ جگر سے
روشن کیا تو اس سے باطل نظام کی اندھیری رات میں بے شمار نشان ہائے راہ متعین ہوئے
اور اسلام کے جہانِ نَو کا تصور نوجوانوں کے لیے اُجاگر ہوا۔ آپ نے افسانہ، ناول،
طنز، نظم، غزل، ڈرامہ غرض ہر صنفِ ادب میں اسلامی ادب کے ماڈل تیار کیے۔ جن
سے کتنے ہی لکھنے والوں کو اسلامی ادب کا شعور حاصل ہوا۔ آپ کی اس جگر کاری سے
نئے لکھنے والوں کی کھیپ کی کھیپ تیار ہوئی۔ آج اشتراکی ادب کے علمبردار جو ہمارے
ہاں نام نہاد "ترقی پسند" کہلاتے ہیں۔ اب بالآخر ان کے ہاں بھی صنفِ نعت نے جگہ
پالی ہے اور جو لوگ صرف لینن اور سٹالن کی مدح میں لکھتے تھے وہ اب محسنِ انسانیت
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت بھی لکھنے لگے ہیں۔ باطل کو میدان سے مکمل طور پر باہر دھکیلنا
تو اس دنیا کی ترتیب و تخلیق کی غایت اور حکمت کے خلاف ہے۔ لیکن اسے کار نو کر
کے اپنی بولی اسی کی زبان سے بھی کہلوا لینا ایک بہت بڑی فتح ہے جو آپ نے
حاصل کی ہے۔

ہماری ادبی تحریک کے اس چالیسویں سال میں بھی اپنے حلقۂ تعارف کے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افسانہ و ناول و شعر کے بارے میں جائز و ناجائز کی بحث سے آپ بہت آزردہ ہیں لیکن میں عرض کروں کہ ایک خصوصی مذہبی پس منظر کے ساتھ یہ بحث بالکل ایک فطری امر ہے مذہب کا جو تصور ہمارے انحطاط زدہ مسلم معاشرے میں دورِ ملوکیت سے رائج چلا آتا ہے وہ تصور زندگی میں مذہب کو صرف مسجد و محراب تک ہی محدود کرتا ہے۔ اگر یہ تصور مسلمان قبول نہ کرتے تو ان کی باطل سے سازگاری کے بجائے مسلسل جنگ رہتی جو ان کے معاشرے میں خلافتِ راشدہ کے بعد سے پیہم غلبہ حاصل کر رہا تھا۔ اہلِ دین نے بلاشبہ ابتداء میں نفوذِ باطل کی زبردست مزاحمت کی، لیکن ملوکیت کے زبردست جبر و استبداد نے بالآخر دینی اقدار و تصورات کو مسجد و محراب تک سمٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اور جب دینِ اسلام، حکومت کے ایوان، معیشت کے چیمبر، عدالت کی مسند، اور مقننہ کی مجلس سے نکل کر صرف مدرسہ تک ہی محدود ہو گیا تو اس کا ادب و ثقافت بھی پکی روٹی، قدوری، بیضاوی اور بہشتی زیور ہی رہ گیا۔ بس یہی اس کی ضرورت اور یہی اس کا نصاب اور کل اثاثہ رہ گیا۔ مسجد کی محراب میں محدود ہو کر اس کے پاس صرف ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف ہی رہ سکتے تھے۔ باقی ساری دنیوی زندگی تو اس کے دائرے سے آزاد ہو گئی تھی۔ یوں دینِ اسلام اسلامی تحریک کے ہمہ گیر وسیع الاطراف مقامِ غلبہ سے اُتر کر "مذہب اسلام" کے روپ میں محدود ہو گیا۔ مسلمانوں کے پاس قرآن و سنت، اُسوۂ رسول اکرم اور صحابہ کرام کی درخشاں زندگیوں کی صورت میں بلاشبہ دینِ اسلام کا حقیقی روپ علم کی صورت میں کتابوں میں محفوظ رہا، لیکن غلبۂ باطل میں جس قدر دینِ اسلام سے ہٹ کر عمل کی صورت میں بچ سکا۔ بس وہ اسی قدر ہے جس سے باطل کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اسلام کے اسی موجودہ منجمد اور محدود روپ کو مسلمانوں کی موجودہ مذہب پسند نسلیں جانتی اور اپنے چاروں طرف موجود دیکھتی ہیں اور ان کے علم و خیال میں یہی کل اسلام ہے۔ یہ اسلام گزشتہ چند صدیوں سے مدرسہ و مسجد میں ہی محبوس چلا آ رہا ہے۔ جہاں شعر کا داخلہ ممنوع، افسانہ جھوٹ، ناول لہو الحدیث، اور ڈرامہ بھانڈ گری کا نام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ماحول میں اسلام کا دلدادہ دیندار مسلمان زیادہ سے زیادہ مسجد میں آنے والوں پر یہ نگاہ رکھتا ہے کہ کسی کی کہنی ننگی نہ ہو تاکہ اس کی نماز مکروہ نہ ہو۔ کسی کی ڈاڑھی بقدر قبضہ سے کم نہ ہو، کسی کا انگوٹھا نمازیوں کی صف کی لکیر سے ذرا آگے یا پیچھے نہ ہو، اور کون یا رسول اللہ کا قائل ہے اور کون نہیں ہے؟ آٹھ تراویح کا کون قائل ہے اور بیس تراویح کا علمبردار کون ہے؟ کس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے اور کس کے پیچھے نہیں ہوتی کون ننگے سر نماز پڑھ رہا ہے اور کون رفع یدین کر کے وہابی بن گیا ہے؟ تاکہ اسے اپنی مسجد سے نکالا جائے۔ اور کسے صحابہ کا گستاخ قرار دیا جاسکتا ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک نوری تھا یا بشری تھا؟ آپ کی حیات و ممات کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت مسیح مصلوب ہونے سے پہلے زندہ اٹھا لیے گئے تھے یا تین دن بعد اٹھائے گئے تھے؟ امام مہدی کب آئیں گے؟ اور کیسے ہوں گے؟ کون کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے؟ علامہ اقبال نے اسلام بلا اقتدار کے دور میں جو مسائل مسلمانوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کا نقشہ ابلیس کی مجلس شوریٰ کے ایک ممبر کی زبان سے ان الفاظ میں پیش کیا ہے ؎

ابن مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

غرض مدرسہ و مسجد کے اسلام کی اصطلاحات، موضوعات، معقولات سب مخصوص اور اس کی ضروریات محدود ہیں، نہ کہ اس نے کسی کو اپنے دائرے میں داخل کی دعوت دینی ہے، نہ کہ اس کی سر دردی کفار میں جا کر دعوتِ اسلامی کو پھیلانا ہے۔ نہ کہ اس کے پیش نظر کفار کے غلبہ کو ختم کر کے اپنے توحید دا علی تصورِ خدا کی حاکمیت کو نافذ کرنا ہے۔ اس مروجہ محدود تصورِ اسلام میں خلقِ خدا کے سامنے ہر سطح پر اور ہر سمت سے دعوتِ اسلامی پیش کرنا پیش نظر ہی نہیں ہے۔ اس لیے یہاں اسلامی دعوت کی مختلف جہتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور طریقوں کو آزمانے، انسانی نفسیات کو متاثر کرنے اور اسلام کا تحریکی تصور پیش کر کے مسلمانوں کو غلبۂ اسلام پر آمادہ کرنے کا سوال ہی موجود نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ دعوتی اور تحریکی اسلام اور نسلی فقہی اور روایتی اسلام میں یہی بنیادی فرق ہے اس لیے نسلی اسلام کو کسی دعوتی ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے تو داخلی طور پر فرقوں کی گرم بازاری ہی بہت کافی ہے۔

مولانا مودودی مرحوم نے جب اسلام کا دعوتی اور تحریکی تصور پیش کر کے مسلمانوں کو اس کے غلبہ کے لیے جمع ہونے کی دعوت دی تو فطری طور پر سب سے پہلے مذہبی طبقہ نے ہی کھنچ کر اُدھر آنا تھا۔ اسلام کے غلبہ کا تصور یا دورِ خلفائے راشدین کے احیاء کا حسین و جمیل تصور تو خیالی سطح پر ہر مسلمان کو اپیل کرتا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں رواجی مذہبی طبقے سے آنے والوں کا ذہنی اور روایتی پس منظر فقہی موشگافیوں کا ہی عادی ہوتا ہے۔ فرشتہ بھی فقہی دائرے میں ہی بنتے ہیں۔ یہ فقہی ذہن جہاں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے جواز و عدم جواز اور تصویر کے حلال و حرام پر بحث کرتا ہے وہاں وہ ادب کے مذہبی مقالات سے ہٹ کر افسانہ، شعر، ڈرامہ اور ناول کے جواز اور عدم جواز اور جائز و ناجائز کے بارے میں بھی بحث کرتا ہے۔ یہ بحث تو رواجی تصورِ اسلام کی فطری بحث ہے اور جب تک ان حضرات کا جدید علوم اور ان کی افادیت و ضرورت کے بارے میں ذہن صاف نہ ہو یہ بحث جاری رہے گی۔ چاہے نصف صدی بھی کیوں نہ گذر جائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ تحریک کے داعی نے صرف مقالات کے ذریعے ہی اپنے دینی تصورات کو پیش کیا۔ چنانچہ ان سے متاثر ہونے والا ہر شخص مذہبی مقالات کے جواز کو تو صنفِ ادب کے طور پر خوب سمجھتا ہے۔ لیکن دیگر اصنافِ ادب کے بارے میں اس کے ذہن میں شبہات کا موجود ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص تو اجتہادی فکر کا مالک نہیں ہوتا۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ موجودہ اسلامی دعوت کا دور بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت شعر و ادب کی اصناف پر نام نہاد ترقی پسند اشتراکی تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا قبضہ تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں اشتراکیوں کے لیے مسلمانوں کو الحاد کی براہِ راست دعوت دینے کا کوئی موقع نہ تھا - ظاہر ہے کہ خدا کا انکار، الحاد کا پرچار، رسالت کا انکار، مستقل اخلاقی قدروں کا انکار، زندگی کے اعمال کے تعین میں آخرت کے تصور کا انکار، یہ سب باتیں اگر مقالات میں براہِ راست کہی جائیں تو مسلمان معاشرہ انہیں کبھی قبول نہ کرتا - اس لیے اشتراکیت کے داعیوں نے مسلمان معاشرے کو متاثر کرنے کے لیے ایک طرف صرف نوجوانوں کو نشانہ بنایا جو سادہ دل، علمِ دین سے بے خبر اور جذباتی ہوتے ہیں تو دوسری طرف اشتراکی دعوت کو براہِ راست پیش کرنے کے بجائے شعروادب ڈراما وناول کو اس کا ذریعہ بنایا تاکہ پہلے بالواسطہ اور تدریجی خوراکیں دے دے کر مسلمان نوجوانوں میں اشتراکیت کو زود ہضم بنایا جا سکے - یہ ان کی تبلیغ کی حکمت تھی - ان کا یہ دور ۱۹۳۶ء سے لے کر آج تک پھیلا ہوا ہے اور تقریباً انہوں نے اس فیلڈ پر مکمل قبضہ کیا ہوا ہے - ان کے وجودِ نامسعود نے دینداروں کی نظر میں شعروادب کو بھی مشتبہ بنا دیا ہے -

ظاہر ہے کہ ادب کی ان اصناف کی حیثیت بھی اسلحہ کی سی ہے - اگر وہ دشمن کے ہاتھ میں ہے تو اُس کا کام کرتا ہے اور اگر دوست کے ہاتھ میں ہے تو وہ دوستی نبھاتا ہے - جب دعوتِ اسلامی کے مخاطبین نے دعوت سے متاثر ہوتے ہی ان اصنافِ ادب کو دشمن کے ہاتھ میں دیکھا تو ان کا یہی تصور بن گیا کہ شاید ان اصناف کا مزاج ہی غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ہے - حالانکہ ہتھیار کبھی غیر اسلامی نہیں ہوتا اس کا استعمال غیر اسلامی ہو سکتا ہے -

اس بحث میں دل شکنی کا ایک پہلو جدید تعلیم گاہوں میں دعوتِ اسلامی سے متاثر نوجوانوں کا طرزِ عمل بھی ہے - وہ بھی نوجوان ہونے کے باوجود ان اصنافِ ادب سے اجتناب کرتے اور اس مؤثر ہتھیار کو دعوتِ اسلامی کے لیے استعمال کرنے کی حقیقی ضرورت سے بے نیاز اور شاید بے خبر بھی ہیں - ان کے تیار کردہ لٹریچر میں بھی تمام تر مقالاتی لٹریچر ہی ہے اور وہ دیگر اصنافِ ادب کا اگر ذوق بھی رکھیں تو اس کے لیے استفادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترقی پسند ادیبوں یا ادب برائے ادب کا نظریہ رکھنے والے ادیبوں سے ہی کرتے ہیں۔ خود اپنے اندر سے ایسے افراد تیار کرنے اور ایسا لٹریچر تیار کرنے کی کوشش نہیں کرتے جو پاکیزہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں بھی ان اصنافِ ادب کے خلاف نادانستہ طور پر روایتی نوعیت کی رکاوٹ موجود ہے۔ ایک آدھ دفعہ میں نے توجہ دلائی ہے کہ ان کے اندر ان اصناف سے گریز کا پہلو واضح طور پر موجود ہے۔

یہ سارا پس منظر اسلامی دعوت کے میدان میں مقالے کے علاوہ دیگر اصناف سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ اور جھجک کا باعث بن رہا ہے۔

جس طرح غیر فعال غیر انقلابی منجمد مذہب کی روایتی چٹانوں کو آپ نے پیہم تحریکی ضربات سے توڑا۔ نظامِ اسلامی کا نعرہ بلند کیا۔ اور دعوتِ اسلامی کا چشمۂ صافی بہایا ہے۔ اسی طرح مایوس ہوئے بغیر دیگر اصنافِ ادب کے لیے اسلامی تحریک سے گنجائش پیدا کرنے کا کام ایک مسلسل جدوجہد کے ذریعے ہی ہوگا۔ اور آپ یہ فرض ادا کر ہی رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک خوش آئند پہلو بھی ہے یعنی ان رکاوٹوں کے باوجود تحریک اسلامی سے وابستہ خواتین کا ذہن اس مسئلے میں بالکل صاف ہے۔ ان کے جرائد میں تحریک کے لیے تفریحی ادب کا وافر ذخیرہ سامنے آتا رہتا ہے۔ عام طور پر بھی گذشتہ برسوں میں بتدریج انفرادی سطح پر یہ کام ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ اس میں کسی منظم تحریک کا دخل نہیں رہا۔ لیکن صالح ادبی افکار مسلسل عمل کی صورت میں ڈھلتے رہے اور شعر، افسانہ و ناول تیار ہوتے رہے ہیں۔ خواتین میں سلمیٰ یاسمین نجمی کا کام اور مردوں میں خود آپ کا اور بعض دوسرے اصحابِ فن کا کام جو جریدہ سیارہ کے ذریعے آتا اور جمع ہوتا رہا ہے خاصا وقیع ہے اور وافر بھی۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ریسرچ سکالر گذشتہ ربع صدی میں اسلامی ادب کے میدان میں شعر و افسانہ، ناول و ڈرامہ کی اصناف پر ریسرچ کرے تو کتب و رسائل کی کافی طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے جس پر آپ کا دل مسرت محسوس کر سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر ادب میں اسلامی اقدار کو تسلیم کرنے والے اپنے لیے ایک مستقل ترجمان کا اہتمام کر سکتے۔ ایسے لٹریچر کا تعارف ہوتا۔ ایسے ادیبوں کے کام کا تعارف ہوتا اور ایسے ادب کی کتابی صورت میں اشاعت ہوتی تو آپ کو ادب کا یہ میدان دور دور تک سرسبز دکھائی دیتا۔

کیا اسلامی تحریک کے کارکنوں کو افسانہ و ادب و ناول کی اثر آفرینی کا ثبوت اس سے زائد بھی کوئی درکار ہے کہ جو طبقاتی احساس مسلمانوں کے اندر پیدا کرنے اور ان میں طبقاتی کشمکش اور تصادم پیدا کرنے کی کوشش اشتراکی ادیب گذشتہ نصف صدی سے کرتے رہے ہیں آج ان کی محنت کا رنگ آپ کے سامنے موجود ہے۔ انہوں نے اس طبقاتی احساس کو عوامی رنگ دے کر پیپلز پارٹی کی صفوں کو اپنے مطلوب کرداروں سے بھر دیا ہے۔ ان ادیبوں نے طبقاتی نعرے لگانے والے کارکن پیپلز پارٹی کو فراہم کیے ہیں۔ ان ادیبوں کا کیا ہوا کام ضائع نہیں ہوا ہے۔ جو اخلاق انہوں نے پیدا کرنے کی کوشش کی تھی وہ اخلاق اب پیپلز پارٹی کی صفوں میں پوری طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ جو مادی قدریں انہوں نے ابھاری تھیں وہ قدریں روٹی، کپڑا، مکان کے نعروں میں مربوط دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو حسد و بغض، جلن اور کڑھن کے طبقاتی بیج انہوں نے بوئے تھے وہ آج پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں کی گالیوں میں تناور درخت بنے ہوئے اپنے زہریلے پھل معاشرے کو دے رہے ہیں۔ افسانہ و ناول اور شعر و ڈرامہ کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اشتراکی سیاسی تحریک تو سیاسی میدان میں چار قدم بھی آگے نہ چل سکی تھی۔ یہ سارا کام تو اشتراکی ادیبوں کا ہی کیا ہوا ہمارے سامنے ہے۔

بہرحال ہمارے معاشرے میں اشتراکیوں نے مقالات کے ذریعے اپنی دعوت پیش کرنے کی بجائے شعر، افسانہ و ناول کو جو ذریعہ بنایا تو اس کی اثر پذیری آج سب کے سامنے ہے۔ آج وہ اپنی نظریاتی تفریحی، اشتراکی ادبی تحریک کی گولڈن جوبلی منا رہے ہیں۔ اور حقیقتاً ان کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ ان کا کیا ہوا کام معاشرے میں ایسا رنگ لایا ہے کہ جس معاشرے میں مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر طرابلس اور ترکی میں بھی ظلم ہو تو تڑپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُٹھتے تھے وہاں اُن کا ادب پر قبضہ اس درجے کا ہوا ہے کہ ویت نام میں اشتراکی نظریات کے حق ہی کوئی جنگ آزما ہو تو پاکستانی ادیب اس پر تڑپ اُٹھتے ہیں اور شعر وادب سے ویت نام کے لوگوں کو زندۂ جاوید بنا دیتے ہیں اور ویت نام کے مظلوموں کے دکھ پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ لیکن اگر افغانستان ہی خود روس مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور وہاں کے مسلمان بچوں پر کھلونوں کے بم پھینکتا ہے، چالیس لاکھ مسلمانوں کو بے گھر کرتا ہے۔ دس لاکھ مسلمانوں کو دنیا کے سامنے ذبح کر دیتا اور کھلم کھلا پُر امن نہتی مسلمان بستیوں پر بمباری کرتا اور برسوں کرتا چلا جاتا ہے تو مسلمان معاشرے کے اشتراکی ادیبوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، نہ اُن کی آنکھ افغان مسلمان بیوہ کے دکھ پر نم ہوتی ہے اس لیے کہ اُسے ان کے محبوب روسی بم نے بے گھر کیا۔ اور اس کے شوہر کو ان کے محبوب روسی سپاہی نے شہید کیا ہے۔ ان کی زبانیں گنگ اور ان کے قلم زنگ آلود ہو جاتے ہیں بلکہ اُلٹا وہ یہ مطالبہ اُٹھاتے ہیں کہ ان بے گھر مظلوم مسلمانوں کو واپس روسیوں کے ٹینکوں کے سامنے دھکیلا جائے تاکہ اُن کی ہڈیوں پر وہ ٹینک دوڑا سکیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ پاکستان خود جا کر روس کی کٹھ پتلی ببرک کارمل سے معانقہ اور مصافحہ کرے اور اس سے روس کی غلامی میں جانے کا نسخہ معلوم کرے۔ اس سے زیادہ تیرہ بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اب خود مسلمانوں میں سے اپنی ضرورت کے لوگ روس کو مل رہے ہیں، جو مسلمانوں کو اس کی غلامی میں براہ راست دھکیلنا چاہتے ہیں۔ یہ سب انہی اشتراکی ادیبوں کی قلمکاری کا ہی تو نتیجہ ہے۔

یہ سب باتیں ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہونی چاہییں جو تحریکِ اسلامی کے اندر شعروادب اور افسانہ و ناول کے جائز و ناجائز کی بحثوں میں اب تک پڑے ہوئے ہیں۔ بسم اللہ کا گنبد اس کے سوا اور کونسا ہوتا ہے کہ دشمن آپ کے سر پہ کھڑا ہے اور آپ بندوق کے استعمال کے بارے میں فقہی جواز و عدم جواز کی بحث فرما رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com